Harmony Between Words And Meanings In Poetry of Iqbal:A Critical Study

کلام اقبال میں لفظ و معنی کی مطابقت و ہم آہنگی۔۔۔تنقیدی مطالعات

Dr. Aneela Saleem *1
Assistant Professor, Department of Urdu, Institute Of Urdu Language and Literature, University Of Punjab, Lahore
Dr.Shagufta Firdous *2
Assistant Professor, Department of Urdu, Government College Women University ,Sialkot

☆1 ڈاکٹر انیلا سلیم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ادارہ زبان و ادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی ،لاہور
☆2 ڈاکٹر شگفتہ فردوس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وویمن یونیورسٹی، سیال کوٹ

Correspondance: aneela.urdu@pu.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-10-2025
Accepted:25-12-2025
Online:31-12-2025

CC BY

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This study examines the intricate relationship between words and meanings in the poetry of Allama Muhammad Iqbal, emphasizing the harmony between phonetic, visual, and semantic dimensions. Critical analyses by scholars such as Syed Abid Ali Abid and Jabir Ali Syed highlight that in Iqbal’s poetry, words are not merely vessels for meaning but integral components of a unified expressive system where linguistic form and conceptual content are inseparable. While some critics approach Iqbal’s work from a purely linguistic perspective, focusing on sound patterns and structural aesthetics, others emphasize the perfection of meaning and its communication, illustrating that regardless of a poem’s initial composition or subsequent revisions, the alignment of words and meanings remains consistent and artistically compelling. The study also contrasts differing critical

perspectives—some prioritizing meaning over words and others vice versa—ultimately showing that Iqbal achieves a synthesis wherein words and meanings function as two facets of the same reality, rejecting duality and asserting a seamless unity. This paper contributes to the understanding of Iqbal's poetic methodology, revealing how his conscious interplay of form and meaning enhances both the aesthetic and philosophical impact of his work.

KEYWORDS:,Iqbal, Poetry, Words, Meanings, Harmony, Literature, History,

علامہ محمد اقبال کا کلام اردو اور فارسی ادب میں فکری گہرائی، معنوی وسعت اور فنی توازن کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اقبال کے ہاں لفظ اور معنی کا باہمی رشتہ محض لسانی مناسبت تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ فکری، فلسفیانہ اور تہذیبی سطحوں پر ایک بامعنی وحدت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے شعری اسلوب میں الفاظ کا انتخاب، تراکیب کی تشکیل اور علامات کا استعمال اس شعوری فنی مہارت کا مظہر ہے جس کے ذریعے وہ پیچیدہ تصورات کو سادہ مگر پر اثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ زیرِ نظر تنقیدی مطالعہ اقبال کے کلام میں لفظ و معنی کی اسی ہم آہنگی کا جائزہ لیتا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ کس طرح اقبال لفظ کو محض اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ معنی کی تخلیق اور ترسیل کا فعال عنصر بنا دیتے ہیں۔ اس مطالعے کے ذریعے اقبال کے فکری نظام، شعری جمالیات اور اسلوبیاتی شعور کو ایک تنقیدی زاویے سے سمجھنے کی سعی کی گئی ہے، تاکہ اقبال کے کلام کی معنوی تہہ داری اور فنی ساخت کو زیادہ گہرائی کے ساتھ سامنے لایا جا سکے۔

ضرب کلیم میں اقبال کا ایک قطعہ بہ عنوان جان و تن ہے جس میں الفاظ و معنی کے تعلق کو اقبال نے فلسفیانہ حوالے سے واضح کیا ہے، قطعہ یوں ہے:

عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی
روح کی جوہر سے خاک تیرہ کسی جوہر سے ہے
میری مشکل؟ مستی و شور و سرور و درد و داغ
تیری مشکل؟ مے سے ہے ساغر کہ مے ساغر سے ہے
ارتباط حرف و معنی اختلاط جان و تن

جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر میں ہے(1)

اس قطعے کے آخری شعر پر تفصیلی بحث آئندہ سطور میں کی جائے گی پہلے شعر کو ہی دیکھا جائے تو عقل کی الجھن یہ ہے کہ روح اور بدن کا تعلق کیا ہے یہ دوئی پر مشتمل ہے یا یگانگت کا مظہر ہے۔ مستی شور، سرور اور درد و داغ کیا ہے؟ مے اور ساغر کا تعلق کیا ہے؟ اقبال نے اپنے مخصوص استفہامیہ لہجے اور انداز میں پہلے کچھ سوالات اٹھائے ہیں اور پھر آخری شعر میں حرف و معنی کو جان و تن کے جیسی یگانگت پر مبنی قرار دے کر تمام سوالات کے جواب فراہم کر دیے ہیں۔

لفظ و معنی کا ارتباط عقدہ مشکل ہے کہ الفاظ و معانی ہیولی اور صورت، جسم اور لباس میں کیا تعلق ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے شعر العجم میں لکھا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ مفردات الفاظ نہ سبک ہیں نہ ثقیل نہ مترنم ہیں نہ مکروہ صرف آوازیں ہیں اور معصوم ہیں ان کی صوتی اہمیت اور شکل صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دوسرے الفاظ سے مل کر کسی معانی کی تشکیل میں اینٹ اور چونے کا کام دیتے ہیں۔"(2)

کلام اقبال کا اس خاص زاویے سے مطالعہ کیا جائے تو ان کے ہاں الفاظ کی صوتی اور صوری دونوں صورتیں معنوی حالت سے مکمل ارتباط رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں ناقدین کی آرا پر مکمل اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اگر کلامِ اقبال کا اس مخصوص زاویۂ نظر سے سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اقبال کے ہاں الفاظ کی صوتی ساخت اور صوری ہیئت دونوں اپنی معنوی کیفیت سے گہرا اور ناگزیر ربط رکھتی ہیں۔ اقبال محض الفاظ کے لغوی مفہوم پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ صوت، آہنگ، وزن اور لفظی ساخت کو بھی معنی کے اظہار اور ترسیل کا مؤثر ذریعہ بنا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں لفظ اور معنی کے درمیان ایک نامیاتی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے کلام میں صوتی تکرار، آہنگ کی ترتیب اور لفظی تناسب اس فنی شعور کی عکاسی کرتے ہیں جو معنی کو نہ صرف واضح بلکہ زیادہ پُر اثر بنا دیتا ہے۔ اس حوالے سے مختلف معتبر ناقدینِ ادب کی آرا نہایت اہمیت کی حامل ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے تنقیدی مطالعات میں اقبال کے اسلوب کی اسی خصوصیت کو مدلل انداز میں اجاگر کیا ہے۔ چنانچہ اقبال کے کلام میں لفظ و معنی کی اس باہمی مطابقت کے تجزیے میں ناقدین کی آرا کو ایک معتبر اور قابلِ اعتماد بنیاد کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے، جو اس بحث کو علمی استحکام اور تنقیدی وزن عطا کرتی ہیں۔ گوپی چند نارنگ اقبال کی شاعری کا صوتیاتی نظام میں لکھتے ہیں:

"اقبال کا فردیت پر اصرار، عمل کی گرم جوشی، جرات مندی، آفاق کی وسعتوں میں پرواز کا حوصلہ اور بے پایاں تحرک بھی ایک ایسے صوتیاتی نظام کا تقاضا کرتا ہے جو اس میں معنیاتی فضا سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔“(3)

صوتیاتی نظام اور معنیاتی فضا کا گہرا تعلق الفاظ کی صوری حالت سے بھی ہے۔ صوتیاتی نظام اور معنیاتی فضا کے درمیان جو گہرا اور ہمہ گیر تعلق قائم ہوتا ہے، وہ دراصل الفاظ کی صوری حالت سے بھی براہِ راست مربوط ہے، کیونکہ لفظ کی ہیئت، ساخت اور ظاہری تشکیل معنی کے ادراک اور اس کے تاثر کو متعین کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ شعری زبان میں لفظ کی صورت محض ایک بصری علامت نہیں رہتی بلکہ وہ صوتی آہنگ، وزن اور داخلی ترتیب کے ساتھ مل کر معنی کے دائرۂ اثر کو وسعت دیتی ہے۔ بالخصوص کلامِ اقبال میں یہ صوری عناصر معنیاتی فضا کی تشکیل میں اس طرح پیوست ہو جاتے ہیں کہ قاری یا سامع پر معنی کا اثر محض فکری سطح تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک جمالیاتی اور حسی تجربے میں ڈھل جاتا ہے۔ یوں لفظ کی صوری کیفیت، صوتی نظام اور معنیاتی مفہوم باہم مربوط ہو کر ایک ایسی وحدت تشکیل دیتے ہیں جو اقبال کے شعری اسلوب کو فکری گہرائی اور فنی وقار عطا کرتی ہے۔

ڈاکٹر اسلم انصاری اس تعلق کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> "ایک خلاق انسان کے تخیل میں الفاظ اپنے تمام ابعاد کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ اقبال کے تخیل کی زرخیزی ان کے تخلیقی کارناموں کی وسعت اور ضخامت سے بھی ظاہر ہے اور ان کی نوعیت سے بھی .... نئی تراکیب کی ساخت میں انھیں جو مہارت اور قدرت حاصل ہے اس کی مثال ان کے دو عظیم پیش رووں مرزا بیدل اور مرزا غالب ہی میں ملتی ہے۔ اقبال کی تراکیب ندرت اور معنوی لطافتوں کے اعتبار سے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعری کا سرمایہ افتخار اور گنجینۂ اظہار ہیں۔"(4)

یوں تو اقبال نے اپنی شاعرانہ حیثیت سے انکار کیا ہے جیسا کہ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں انھوں نے لکھا ہے اور اقبال کے فن پر بحث کرنے والے ناقدین نے اس خط کے مختلف اقتباسات کو استعمال بھی کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال مفکر و فلسفی ہے اور ان کی شاعرانہ حیثیت اس قدر مضبوط ہے کہ ان کے عظیم شاعر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ شمس الرحمن فاروقی کا ایک فقرہ ہے کہ بڑا مفکر اور بڑا شاعر ہم معنی اصطلاحات نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات تو یہ متضاد اور متغائر اصطلاحات کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔(5)

نقوش اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء میں جگن ناتھ آزاد کا ایک وقیع مضمون شایع ہوا جس کا عنوان "اقبال کی اپنے کلام پر نظر ثانی" ہے۔ (بعد ازاں یہ مضمون ۱۹۸۳ء میں اقبال کا فن مرتبہ گوپی چند نارنگ میں بعنوان "ترمیمات اقبال کا تنقیدی جائزہ" شایع ہوا) اس مضمون میں جگن ناتھ آزاد نے علامہ اقبال کے کلام کی لفظی و معنوی اہمیت پر تفصیل سے لکھا ہے مزید یہ کہ اقبال کے اشعار

لطف بڑھ جاتا ہے اقبال سخن گوئی کا

شعر نکلے صدف دل سے گہر کی صورت

کی عملی تصویر تو ہیں لیکن پھر بھی اقبال نے اپنے خیال کی اصل روح ابلاغ کے لیے بارہا اشعار کے الفاظ میں ترامیم کی ہیں۔ اقبال کے ہاں لفظ و معنی کی یگانگت کا جو نظریہ موجود تھا اس ضمن میں جگن ناتھ نے ایک اہم واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ جابر علی سید نے اپنے ایک مضمون میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ جگن ناتھ آزاد نے اس واقعے کو ترامیم کرنے کی عملی صورت کے برعکس ایک بیان بتایا ہے جب کہ جابر علی سید نے اپنے موقف کی حمایت میں اس واقعے کے بیان سے مدد لی ہے۔ جگن ناتھ آزاد نے واقعہ عبدالمجید سالک کے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

"ایک دفعہ کا ذکر ہے فارمن کرسچین کالج لاہور کا سالانہ اجلاس تھا جس میں علامہ بھی مدعو تھے۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے علامہ سے کہا کہ آپ اجلاس اور چائے سے فارغ ہونے کے بعد ذرا ٹھہریے گا مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے، ڈاکٹر لوکس تقریب سے فارغ ہونے کے بعد علامہ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ آیا آپ کے نزدیک آپ کے نبیؐ پر قرآن کا مفہوم نازل ہوتا تھا جسے وہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے یا الفاظ بھی نازل ہوتے تھے؟ علامہ نے صاف جواب دیا کہ میرے نزدیک قرآن کی عبارت عربی زبان میں آنحضرت پر نازل ہوتی تھی یعنی قرآن کے مطالب ہی نہیں بلکہ الفاظ بھی الہامی ہیں۔ ڈاکٹر لوکس نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ جیسا اعلیٰ پایہ کا فلسفی Verbal inspiration الہام لفظی پر کیوں کر اعتقاد رکھ سکتا ہے۔ علامہ نے ارشاد فرمایا ڈاکٹر صاحب میں اس معاملے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں، مجھے تو خود اس کا تجربہ حاصل ہے۔ میں پیغمبر نہیں ہوں محض شاعر ہوں جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اترنے لگتے ہیں اور میں انھیں بعینہ نقل کر لیتا ہوں، بارہا ایسا ہوا کہ میں نے ان اشعار میں کوئی ترمیم کرنی چاہی لیکن میری ترمیم اصل اور ابتدائی نازل شدہ شعر کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آئی اور میں نے شعر کو جوں کا توں رکھا۔ جس حالت میں ایک شاعر پر پورا شعر نازل ہو سکتا ہے تو اس میں کیا مقام تعجب ہے کہ آنحضرت پر قرآن کی پوری عبارت لفظ بہ لفظ نازل ہوتی تھی؟ اس پر ڈاکٹر لوکس لاجواب ہو گئے۔"(6)

سید عابد علی عابد کا شمار ان اولین ناقدین میں ہوتا ہے جنھوں نے علامہ اقبال کے کلام کے فنی خصائص پر قلم اٹھایا، ان فنی خصائص میں سے ایک خصوصیت اقبال کے ہاں مطابقت لفظ و معنی کی ہے کہ کلام اقبال سے لفظ و معنی کی مطابقت، یگانگت اور اتحاد کا ایک ایسا نظریہ مترشح ہوتا ہے کہ جس کی طرف بہت کم ناقدین نے نظر کی۔ سید عابد علی عابد اردو تنقید کے اُن اولین اور معتبر ناقدین میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے علامہ محمد اقبال کے کلام کے فنی اور اسلوبیاتی پہلوؤں پر باقاعدہ اور سنجیدہ توجہ مرکوز کی۔ ان کی تنقیدی بصیرت کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اقبال کے کلام کو محض فکری یا فلسفیانہ زاویے سے نہیں دیکھا بلکہ اس کے فنی خصائص کو بھی بطورِ خاص موضوعِ بحث بنایا۔ ان فنی خصوصیات میں سب سے نمایاں اور اہم وصف اقبال کے ہاں لفظ اور معنی کی مطابقت ہے، جسے سید عابد علی عابد نے نہایت باریک بینی کے ساتھ اجاگر کیا۔ ان کے نزدیک کلامِ اقبال سے لفظ و معنی کی ایسی ہم آہنگی، یگانگت اور داخلی وحدت کا نظریہ ابھر کر سامنے آتا ہے جس میں لفظ محض معنی کا وسیلہ نہیں رہتا بلکہ خود معنی کی تشکیل میں ایک فعال اور مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ نظریاتی نکتہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، تاہم افسوس کہ اردو تنقید میں بہت کم ناقدین نے اس پہلو پر گہرائی کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس تناظر میں سید عابد علی عابد کی تنقید نہ صرف اقبال فہمی میں ایک اہم اضافہ ہے بلکہ لفظ و معنی کے باہمی تعلق کے حوالے سے اردو تنقیدی روایت کو بھی ایک نئی سمت عطا کرتی ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ سید عابد علی عابد نے اقبال کے کلام میں مطابقت الفاظ و معنی کے زیر عنوان مضمون میں اس ضمن میں مفصل بحث کی ہے، ان کا یہ مضمون پہلے پہل "نفائس اقبال" اور بعد ازاں "شعر اقبال" میں شامل ہے۔ اول الذکر میں صرف لفظ و معنی کی بحث ہے جب کہ موخر الذکر تصنیف میں اس مضمون کو توسیعی شکل میں شامل کیا گیا ہے اور اسے تصنیف کے تیسرے جزو اقبال کے شعور تخلیق کا ابلاغ و اظہار کے تحت شامل کیا گیا ہے۔ اور توسیعی حصہ میں موضوعات کے تحت اقبال کے ہاں لفظ و معنی کی کامل مطابقت کی بحث پر مشتمل ہے۔

اسی نوعیت کا ایک مضمون جابر علی سید کے مجموعہ مضامین اقبال کا فنی ارتقا میں بہ عنوان اقبال اور لفظ و معانی کا رشتہ ہے۔ اقبال کے کلام میں فنون لطیفہ یا لفظ و معنی کی بحث کے سلسلے میں ہر دو ناقدین نے اپنے اپنے تنقیدی مطالعے کے پیش نظر اپنی علمی قابلیت کی انفرادیت قائم رکھی ہے۔ اس حوالے سے جابر علی سید سے ان کی حیات ہی میں استفسار بھی کیا جانے لگا مثلاً ڈاکٹر عبد الرؤف شیخ نے ایک انٹرویو میں سوال کیا کہ انھوں نے اقبال کا فنی ارتقا اور اقبال ایک مطالعہ میں اقبال کے فن کا تجزیہ کیا ہے اور سید عابد علی عابد نے بھی اقبال کے کلام کے فنی خصائص کا جائزہ لیا ہے۔ یوں انھوں نے اقبال شناسی میں جو روش اپنائی ہے کیا اس میں وہ سید عابد علی عابد سے متاثر تھے تو جابر علی سید نے اس اہم سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا:

> "اس کی وجہ یہ ہے کہ مثال کے طور پر اگر آپ غالب کا مجموعی جائزہ لینا
> چاہیں تو اس میں غالب کے ہاں جو قنوطیت یا امید پرستی ہے۔ اس میں

سینکڑوں آدمی لکھ چکے ہیں جنھیں دہرانا یکسانیت ہے، اس طرح تو پھر یکسانیت یا تقلیدی رنگ آ جاتا ہے۔ اقبال کے بارے میں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ سب لوگوں نے فکر اقبال پر بہت کچھ لکھا ہے، عابد صاحب نے عام روش سے ہٹ کر اقبال کے فن کا جائزہ لیا ہے اور مجھے بھی یہ احساس تھا کہ عام راستے سے ہٹ کر اقبال کا جائزہ لیا جائے اور میں نے اپنی کتاب "اقبال کا فنی ارتقا" لکھتے وقت عابد کی شعر اقبال نہیں دیکھی تھی ممکن ہے، میں ان کا شاگرد ہوں اور وہ کلاس میں انھی نکات پر بحث کیا کرتے تھے تو غیر شعوری طور پر میں نے ان سے یہ اثر قبول کیا ہو۔ تاہم میں نے یہ کتاب اپنے ذوق مطالعہ اور تنقیدی مسلک کے حوالے سے لکھی ہے۔ عابد کی اقبال سے متعلق کتاب تقلیدی رنگ میں نہیں ہے۔ اقبال کے فکر اور فلسفے پر بات کرنا فرسودہ روش اپنانے کے مترادف ہے اور عابد نے کلام اقبال پر منفرد زاویہ نگاہ سے مطالعہ کر کے اجتہادی کوشش کی ہے۔''(7)

یوں تو مطابقت اور رشتہ ایک ہی معانی کے حامل لگتے ہیں کہ مطابقت بھی دو الگ چیزوں میں قائم کی جاتی ہے اور رشتہ بھی۔ دونوں ناقدین ادب کے نظریات کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ سید عابد علی عابد کے نزدیک مطابقت الفاظ و معنی کے سلسلے میں نقاد کا حسن بیان عاجز اور زور کلام بے کار ہو جاتا ہے۔ انھوں نے شبلی نعمانی کی نسبت الفاظ کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ سید عابد علی عابد نے عربی ناقدین کے نظریات اور فارسی ادبیات کی امثال سے دونوں مختلف نظریات کو اجمالاً پیش کیا ہے کہ کس کے نزدیک معنی لفظ پر مقدم ہے اور کس کے خیال میں الفاظ، معانی پر اور پھر اقبال کے کلام سے مثال پیش کی۔ بادی النظر میں مطابقت اور رشتہ ہم معنی محسوس ہوتے ہیں، کیونکہ دونوں ہی دو جداگانہ عناصر کے مابین کسی نہ کسی نوع کی وابستگی اور تعلق کو ظاہر کرتے ہیں، تاہم تنقیدی اصطلاحات کے تناظر میں ان کے مفاہیم میں باریک مگر اہم امتیازات پائے جاتے ہیں۔ جب ناقدین ادب کے نظریات کا سنجیدہ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سید عابد علی عابد کے نزدیک الفاظ اور معنی کے باب میں محض سطحی ہم آہنگی کافی نہیں، بلکہ اصل اہمیت اس داخلی مطابقت کو حاصل ہے جس میں نقاد کا حسنِ بیان ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور زورِ کلام بھی اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے۔ ان کے نزدیک لفظ و معنی کی ایسی وحدت مطلوب ہے جو کسی خارجی صناعی یا اسلوبی تصنع کی محتاج نہ ہو۔

اسی تناظر میں سید عابد علی عابد نے شبلی نعمانی کے مقابلے میں الفاظ کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی ہے اور اس امر پر زور دیا ہے کہ شعری اظہار میں لفظ محض معنی کا تابع نہیں بلکہ خود ایک جمالیاتی اور معنوی قدر رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے تنقیدی مباحث میں عربی ناقدین کے نظریات اور فارسی ادبیات کی نمائندہ مثالوں سے استفادہ کرتے ہوئے اجمالی طور پر ان دو متضاد

نظریات کو پیش کیا ہے کہ بعض ناقدین کے نزدیک معنی کو لفظ پر فوقیت حاصل ہے، جب کہ بعض کے خیال میں الفاظ معانی پر تقدم رکھتے ہیں۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر کو واضح کرنے کے بعد سید عابد علی عابد نے اقبال کے کلام سے موزوں مثالیں پیش کی ہیں، جن کے ذریعے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اقبال کے ہاں لفظ اور معنی میں ایسی نامیاتی مطابقت پائی جاتی ہے جو اس قدیم نظری اختلاف کو ایک حد تک رفع کر دیتی ہے اور اقبال کے فنی شعور کی انفرادیت کو نمایاں کرتی ہے۔

سید عابد علی عابد اور جابر علی سید کے مذکورہ مضامین میں مندرجات کسی حد تک ملتے جلتے بھی ہیں لیکن بنیادی نظریے میں فرق بھی ہے۔ جابر علی سید کے نظریے کی طرف رخ کیا جائے تو انھوں نے آغاز ہی میں فلسفہ کے مباحث میں اس خیال کو نہ پا کر علامہ اقبال کو فلسفی اقبال کہہ کر بحث کا آغاز کیا اور دیگر ادبی امثال کی بجائے کلام اقبال سے اقبال کے نظریے کو اخذ کرنے کے، علامہ اقبال کی حیات سے بھی کچھ امثال پیش کی ہیں۔ جن سے اقبال کا نظریہ لفظ و معنی بہت واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے اقبال کی میراث کی مثال میں وہی قصہ درج کیا گیا ہے جو پرنسپل فارمن کرسچین کالج مسٹر لوکس اور اقبال کی گفتگو پر مشتمل ہے لیکن عبد المجید سالک کی ذکر اقبال میں پیش کردہ اس واقعے کو جگن ناتھ آزاد نے اپنے اور جابر علی سید نے اپنے موقف کے مطابق استعمال کیا ہے۔ جابر علی سید نے یہ واقعہ روز گار فقیر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ مقالے کے آغاز میں اقبال کے ایک قطعہ بہ عنوان جان و تن کا ذکر اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ سید عابد علی عابد اور جابر علی سید دونوں نے اس قطعے کے آخری شعر کے ذریعے اقبال کے نظریے کی گرہ کشائی کی کوشش کی ہے۔ عابد صاحب کے خیال میں اقبال نے معانی کو انگر" کہا ہے، الفاظ اسی زندگی اور گرمی کے شعلے کی جلی ہوئی راکھ ہیں لیکن بجھی ہوئی نہیں۔ یہی راکھ اخگر کا لباس ہے ایک اور لطیف اشارہ اس میں یہ پوشیدہ ہے کہ معانی نازک اور مطالب دقیق ازلی اور الہامی ہونے کے باعث جب الفاظ کا لباس پہنتے ہیں تو کسی نہ کسی حد تک اصل مطالب کے کچھ پہلو بیان ہونے سے رہ جاتے ہیں کیوں کہ الفاظ انسان کے وضع کردہ ہیں اور ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ افکار و خیالات کے تمام لطیف پہلوؤں کے حامل ہو سکیں اس لیے اقبال نے کہا کہ اخگر کا کچھ حصہ ہی جل کر راکھ بنتا ہے۔ معانی کے انوار میں کچھ کمی ہوتی ہے تب الفاظ کا جامہ تیار ہوتا ہے۔ ورنہ وہ اپنی پوری تابناکی اور گرمی کے ساتھ الفاظ میں سما ہی نہیں سکتے۔ (8)

سید عابد علی عابد کی اس تشریح کے بعد بھی الفاظ و معانی کی دوئی برقرار ہے جبکہ جابر علی سید نے اس شعر کی تشریح کے بعد ایک قطعی نظریہ پیش کیا ہے کہ اقبال کے دوسرے مصرعے میں، پہلے مصرعے میں پیش کیے ہوئے نظریے کو، ایک بالکل نئی تمثیل کی مدد سے واضح کیا گیا ہے یعنی چنگاری اپنی خاکستر کی قبا پہنے ہوئے ہوتی ہے۔ اس تمثیل میں اقبال نے داخل اور خارج کی یگانگت اور دونوں کا تخلیقی تعلق واضح کر دیا ہے۔ ساتھ ہی تخلیقی انرجی اور حرارت کی خارجی صورت کو اخگر کی قبا سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تمثیل اپنے اندر کئی جمالیاتی اور سائنسی پہلو رکھتی ہے۔ سائنس جو یہاں فلسفیانہ طریق کار کا ایک نام ہے، اس میں ایک خلاق ذہن کا اپنی بہ ظاہر خارجی صورت سے پورا اتحاد ظاہر ہے۔ (9)

جابر علی سید کی پیش کی گئی تشریح سے ان کے ایک واضح نظریے کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اقبال کے ہاں لفظ و معنی میں دوئی نہیں ہے۔ لفظ عبارت ہے بولے ہوئے معنی سے، خیال کی خارجی صوتی صورت سے، یہ ہماری سائنسی، منطقی مجبوری ہے کہ ایک وحدت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے ہیں جب کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ دونوں عنصروں میں یگانگت ہے مغایرت نہیں، وحدت ہے دوئی نہیں، یا دونوں ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں۔ ایک دوسرے میں مدغم اور علیحدگی کے تصور سے بھی گریزاں اور بیزار ملے۔(10)

جابر علی سید کی پیش کردہ تشریح سے ان کے اس واضح اور متعین نظریے کی نشان دہی ہوتی ہے کہ علامہ اقبال کے کلام میں لفظ اور معنی کے مابین کسی قسم کی دوئی یا تضاد موجود نہیں۔ ان کے نزدیک لفظ دراصل بولے ہوئے معنی کا مظہر ہے، یعنی خیال کی وہ خارجی اور صوتی صورت جو داخلی تصور کو قابلِ اظہار بناتی ہے۔ اس زاویۂ فکر کے مطابق لفظ اور معنی کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنا ایک فطری یا فنی تقاضا نہیں بلکہ ہماری سائنسی اور منطقی مجبوری ہے، جس کے تحت ہم ایک وحدت کو فہم کی سہولت کے لیے دو جداگانہ اجزا میں منقسم کر دیتے ہیں۔

جابر علی سید اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حقیقت کی سطح پر لفظ اور معنی ایک دوسرے کے مقابل یا متغائر عناصر نہیں بلکہ باہم یگانگت اور داخلی وحدت کے حامل ہیں۔ اقبال کے کلام میں یہ دونوں عناصر اس درجہ ایک دوسرے میں مدغم نظر آتے ہیں کہ ان کی علیحدگی کا تصور بھی غیر فطری محسوس ہوتا ہے۔ یوں لفظ اور معنی نہ تو ایک دوسرے سے منفصل ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے محتاج، بلکہ وہ ایک ہی حقیقت کے دو مختلف مگر باہم مربوط پہلو ہیں، جو مل کر شعری اظہار کو تکمیل اور معنوی استحکام عطا کرتے ہیں۔ اس تناظر میں اقبال کا شعری نظام لفظ و معنی کی اس وحدتِ کلی کا بہترین مظہر بن کر سامنے آتا ہے، جو دوئی کے بجائے یگانگت اور تضاد کے بجائے اتحاد پر قائم ہے۔

سید عابد علی عابد کا انتقادی سرمایہ زیادہ تر اصولی مباحث پر مبنی ہے۔ جب کہ عملی تنقید میں کلام اقبال کے حوالے سے ان کی تنقیدات کی اہمیت مسلم ہے۔ جابر علی سید ہی نے پہلی بار عابد صاحب کے اس تفوق کو تسلیم کیا ہے کہ انھوں نے لفظ و معنی کی وحدت کو اہم گردانتے ہوئے اسے تنقیدی مباحث میں نمایاں مقام دیا ہے مزید یہ کہ ایم ڈی تاثیر کے شعری مجموعے "آتش کدہ" کے دیباچے میں سید عابد علی عابد نے لفظ و معنی کی وحدت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے کہ میں صورت کو معانی سے علیحدہ کر کے نہیں پرکھوں گا کہ نفسیاتی اعتبار سے بے ہودہ بات ہے۔ اسلوب کلام اور انداز نگارش اصلاً معانی کے تابع ہے اور معانی سے اس طرح ہم آہنگ ہوتا ہے کہ لفظوں کو جدا کرنا صرف نفسیاتی طور پر ممکن ہے۔

لفظ و معانی کی مطابقت کی تلاش میں سید عابد علی عابد کا انداز کسی حد تک فلسفیانہ ہے انھوں نے تنقید، فلسفہ، الہام، منطق اور دیگر علوم کے حوالے سے بات کی ہے۔ ان کے مطابق شاعر کی تخلیقی صلاحیت پر منحصر ہے کہ وہ خیال کے لیے کس طرح اور کون سے مناسب الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ سید عابد علی عابد نے لفظ و معنی کی جس وحدت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں بھی دوئی پنہاں ہے۔ اس ضمن میں جابر علی سید کی ایک تجزیاتی رائے یوں ہے:

"عابد کا نظریہ وحدانی ہے لیکن تابع کی جو اصطلاح اس بیان میں استعمال کی گئی ہے وہ بے معنی اور غیر متعلق ہے اس سے پھر وہی دوئی علیحدگی ظاہر ہونے لگتی ہے جس سے نجات حاصل کرنا جدید علم معانی اور صورت و معنی کے حقیقی رابطے کا سراغ اٹھانا ہے۔"(11)

جابر کے مطابق "تابع سے صرف اس مطابقت کا سراغ ملتا ہے جو علم بلاغت کلاسیکی صورت و معنی کی یگانگت کے تصور سے آشنا نہیں۔ اس ضمن میں ایک بار پھر سید عابد علی عابد کے ان الفاظ پر غور کیا جا سکتا ہے جن میں انھوں نے اخگر کے اپنی خاکستر میں قباپوش ہونے کے حوالے سے کہا کہ الفاظ چوں کہ تخلیق انسان ہیں لہٰذا ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ افکار و خیالات کے تمام لطیف پہلوؤں کے حامل ہو سکیں، معانی کے انوار میں کچھ کمی ہوتی ہے تب وہ الفاظ کا جامہ قبول کرتے ہیں۔ جب کہ جابر علی سید کے خیال میں اخگر کی خاکستری قباپوشی کی تمثیل سے داخل اور خارج کی یگانگت واضح ہے ان کا تخلیقی تعلق واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں اس نکتے کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ سید عابد علی عابد کے خیال میں اقبال نے اس قطعے کے آخری شعر کے دوسرے مصرع میں الفاظ کی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کیا ہے جب کہ جابر صاحب کے خیال میں اقبال کی یہ تمثیل لفظ و معنی کی دوئی کے تصور کو ختم کرتی ہے۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ سید عابد علی عابد نے کلام اقبال سے ایسی امثال پیش کی ہیں جو لفظ و معنی کے تعلق میں لفظ کی بے کسی پر دال ہیں اور بعد ازاں اقبال کے بیش تر تصورات پر مبنی اشعار کی امثال پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ چوں کہ اقبال ایک قادر الکلام فن کار، بلند مرتبہ صناع اور جلیل القدر شاعر ہیں لہٰذا وہ پابندیوں کے باوجود معانی کے اسرار کی تابندگی کو الفاظ کے آئینے میں منعکس کر ہی دیتے ہیں۔ اس خیال کو انھوں نے یوں بیان کیا ہے:

"الفاظ و معانی میں مطابقت پیدا کرنا، خیال کے جسم پر الفاظ کا لباس پہنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ذرا سوچیے پہلے تو یہ مشکل ہے لطیف ترین خیالات و تفکرات، جو گویا ذہن انسانی کی رسائی کا ثمرہ ہوتے ہیں، قدرناً الفاظ میں مقید ہونے سے گریز کرتے ہیں۔ فکر کے آگے ایک جہانِ نو الفاظ کا وہی ذخیرہ کہن۔ پھر اس کے ساتھ شاعر کے لیے یہ مشکل کہ کسی خاص زمین میں خاص قوانی اور ردیف کے ساتھ اظہار مطلب کرنا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ عموماً یہ نکلتا ہے کہ مجبوراً کئی پہلو ترک کر دینے پڑتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح مرکزی خیال کا ادا کر دینا ہی منتہاو مقصود ہو جاتا۔(12)

سید عابد علی عابد اور جابر علی سید کے اس مشترک مبحث میں تفوق بلاشبہ عابد صاحب کو حاصل ہے لیکن اقتباسات اور ان کی تشریحات سے واضح ہے کہ جابر علی سید نے اقبال کے تصور لفظ و معنی کو اقبال کی حیات سے امثال کے ذریعے بھی واضح کیا ہے۔ عابد صاحب کے تفوق کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالروف شیخ کہتے ہیں:

"عابد کو یہ تفوق حاصل ہے کہ اس نے ذوق سلیم ، وسعت مطالعہ اور اجتہادی نظر کی بدولت مشرقی ناقدین خصوصاً عبد الرحمان (مراۃ الشعر) اور شبلی نعمانی کے لفظ و معانی سے متعلق غلط تصورات کی درست نشان دہی کی ہے۔ اس نے لفظ کو معنی پر فوقیت نہیں دی بلکہ ان دونوں کے کامل ربط کی بات کی ہے کہ لفظ معنی سے جدا نہیں ہو سکتا اور الفاظ و معنی میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے دل بیدار اور چشم بینا کی ضرورت ہے۔"(13)

بلا شبہ ڈاکٹر عبد الرؤف نے سید عابد علی عابد کے مکمل تنقیدی ماخذ تک رسائی حاصل کر کے یہ نکتہ پیش کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عابد علی عابد نے اقبال کی مثال لفظ و معانی کی کامل مطابقت کے حوالے سے پیش کی ہے جب کہ اس سے قبل کے مباحث میں وہ

یہ بھی کہتے ہیں کہ معانی کے انوار میں کمی ہوتی ہے تو وہ الفاظ کا جامہ قبول کرتے ہیں۔ جب کہ جابر علی سید نے بحث کا آغاز ہی یوں کیا ہے کہ وحدت لفظ و معنی کا نظریہ اسلامی بلاغت میں جمود اور تکرار کا شکار تھا کہ اقبال نے اس پہلو پر فلسفیانہ طریق کار سے نظر کی۔ جابر کے مطابق اقبال سے پہلے بلاغت کے طریق کار، سائنسی تحلیلی اور تفریقی ہی تھے:

"یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ حیات و کائنات ، شعر و نغمہ اور خودی و بے خودی میں نیان نیوکلیئر (نیوکلیس) قائم کرنے والا اقبال، پیدا ہوا اور اس نے شعر ہی میں سہی، لفظ و معنی کی عینیت کا راز فاش کر دیا۔"(14)

جابر علی سید نے عابد علی عابد کے تفوق کو تسلیم کیا ہے۔ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ دونوں ناقدین کے خیال کی مشترکہ اساس یہ ہے کہ اقبال کی بصیرت ایسی تھی کہ ان کی دور رس نگاہ گویا لفظ کے سینے میں اتر جاتی تھی اور لفظ کے تمام امکانات ٹٹول لیتی تھی۔ پھر جب وہ اپنے پیش نظر مطالب کو منتخب الفاظ میں ادا کرتے تو محسوس ہوتا گویا اس مطلب کے لیے یہی الفاظ وضع کیے گئے تھے اور اب ان میں ذرا سا بھی ترمیم و تغیر کیا گیا تو معانی کے لطیف ترین پہلو تشنہ اظہار رہ جائیں گے۔ جگن ناتھ آزاد کے مضمون سے یہ بھی پتا چلا کہ اقبال نے جو ترامیم کی ہیں ان میں بھی بہترین اور مکمل ترین حالت میں الفاظ کا انتخاب ہے۔

سید عابد علی عابد بلاغت کے جس نظریے پر بھی یقین رکھتے تھے یا جابر علی سید کے بلاغت کے جو بھی مطالعات تھے اور انھوں نے اقبال کے ہاں بعض جگہ لفظ و معنی کی تفریقی صورت حال کے علاوہ ایک خصوصی مثال قطعہ (جان و تن) کے حوالے سے اپنی اپنی تشریحات بھی پیش کیں۔

عابد صاحب کے نزدیک اقبال کی چشم بینا نے لفظ و معنی کی وحدت کو ممکن بنایا اور جابر صاحب کے مطابق اقبال نے ایک شعر کی صورت میں جو نظریہ پیش کیا اس نے لفظ و معنی کی وحدت کے مسئلے کو حل کر دیا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ شعر کی صورت میں الفاظ کی جو مخصوص ترتیب پیش کی جاتی ہے نثری تحریر یا زبانی بیان میں الفاظ سے ابلاغ کا جو کام لیا جاتا ہے اس میں لفظ و معنی کی ایک مطابقت ضرور موجود ہوتی ہے اس مطابقت کے لیے دوئی اور مغایرت پر مبنی نظریات بھی موجود ہیں اور ان کو یکتا اور وحدانیت کے دھاگے میں پروئے ہوئے دیکھنے والا نقطہ نظر بھی موجود ہے۔ یہ مباحث بلاغت سے تعلق رکھتے ہیں، اقبال عظیم فلسفی مفکر تھے۔ ان کے ہاں ایک قطعہ ”جان و تن ان کے اس نظریے سے پردہ اٹھاتا ہے جس کو بنیاد بنایا جائے تو جگن ناتھ آزاد کا "ترمیمات اقبال" شمس الرحمن فاروقی کا "اقبال کا لفظیاتی نظام"، ڈاکٹر اسلم انصاری کا اقبال عہد آفرین، سید عابد علی عابد کا اقبال کے کلام میں مطابقت الفاظ و معنی اور جابر علی سید کا اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ کی صورت میں یہ تمام مضامین کلام اقبال میں الفاظ کی صوتی و صوری ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ معنوی مطابقت کے حوالے سے نظریات پیش کرتے ہیں۔ کسی نے خالصتاً لسانی زاویوں سے تجزیہ کیا ہے تو کسی نے ابلاغ کمال کے حوالے سے جب کہ نتیجہ یہ ہے کہ اقبال کا کوئی شعر پہلی اور ابتدائی صورت میں موجود ہو یا کہ چالیسویں کوشش کا نتیجہ ہو الفاظ کی معانی کے ساتھ مطابقت ان کی خالصتاً شاعرانہ حیثیت کو اس طرح منواتی ہے کہ شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

یہ تمام تنقیدی مضامین کلامِ اقبال میں الفاظ کی صوتی اور صوری ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ معنوی مطابقت کے حوالے سے مختلف مگر باہم مربوط نظریات پیش کرتے ہیں۔ بعض ناقدین نے اس پہلو کا جائزہ خالصتاً لسانی زاویوں سے لیا ہے اور صوتیات، صرفیات اور اسلوبیات کی روشنی میں اقبال کے لفظی نظام کا تجزیہ کیا ہے، جب کہ بعض دیگر ناقدین نے ابلاغِ معنی اور ترسیلِ فکر کے کمال کو بنیاد بنا کر اقبال کے شعری اسلوب کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ طریقۂ کار اور تنقیدی زاویے مختلف ہیں، تاہم ان تمام مطالعات کا نتیجہ ایک ہی نکتے پر مرتکز ہو جاتا ہے۔

یہ نتیجہ یہ ہے کہ اقبال کا کوئی بھی شعر خواہ اپنی ابتدائی اور اولین صورت میں موجود ہو یا طویل فکری و فنی ریاضت کے بعد، مثلاً چالیسویں کوشش کے نتیجے میں سامنے آیا ہو، ہر حالت میں الفاظ اور معانی کے درمیان ایسی مضبوط اور فطری مطابقت قائم رکھتا ہے جو اس کی خالصتاً شاعرانہ حیثیت کو پوری قوت کے ساتھ منوا دیتی ہے۔ اقبال کے ہاں لفظ و معنی کی یہ ہم آہنگی نہ صرف شعری تاثیر کو بڑھا دیتی ہے بلکہ اس امر کو بھی قطعی بنا دیتی ہے کہ ان کے کلام میں فنی شعور، فکری گہرائی اور جمالیاتی توازن کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک منظم اور شعوری تخلیقی عمل کا حاصل ہے۔ چنانچہ اس سطح پر پہنچ کر کسی قسم کے شک یا تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حوالہ جات

1. محمد اقبال، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی ۲۰۰۴، ص ۵٦۸
2. شبلی نعمانی، شعر العجم، لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز ۱۹۳۲ء، ص ٦۲
3. گوپی چند نارنگ (مرتب)، اقبال کا فن، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۱۹۸۳، ص ۱٦۵
4. ڈاکٹر اسلم انصاری، اقبال عہد آفرین، ملتان: کاروان ادب ۱۹۸۷، ص ۲۴۳
5. گوپی چند نارنگ (مرتب)، اقبال کا فن، ص ۱۸٦
6. جگن ناتھ آزاد، اقبال کی اپنے کلام پر نظر، ثانی مشمولہ: نقوش اقبال نمبر، ستمبر ۱۹۷۷، ص ۲٦۴
7. ڈاکٹر عبد الرؤف، شیخ، انتقادی مباحث، ملتان: بیکن بکس، س ن، ص ۱۲۷
8. سید عابد علی، عابد، نفائس اقبال، لاہور: اقبال اکادمی ۱۹۹۰، ص ۲٦
9. جابر علی، سید، اقبال کا فنی ارتقا، لاہور: بزم اقبال ۱۹۷۸، ص ۸
10. ایضاً ص 7
11. ایضاً ص ۱۲
12. سید عابد علی عابد، شعر اقبال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز: ۲۰۰۳ ص ۱۸۴
13. ڈاکٹر عبد الرؤف شیخ، عابد علی عابد فن و شخصیت، لاہور: بزم اقبال جولائی ۱۹۹۳ء، ص 314
14. جابر علی سید اقبال کا فنی ارتقا، ص 4

References:

1. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Lahore: Iqbal Academy, 2004, p. 568.
2. Shibli Naumani, She‘r-ul-Ajam, Lahore: Sheikh Mubarak Ali & Sons, 1932, p. 62.
3. Gopi Chand Narang (Murattib), Iqbal ka Fan, Dehli: Educational Publishing House, 1983, p. 165.
4. Dr. Aslam Ansari, Iqbal ‘Ahd Aafreen, Multan: Karwan-e-Adab, 1987, p. 243.
5. Gopi Chand Narang (Murattib), Iqbal ka Fan, p. 186.
6. Jagan Nath Azad, Iqbal ki Apne Kalam par Nazar-e-Sani, *sani* mashmoola: Naqoosh (Iqbal Number), September 1977, p. 264.
7. Dr. Abdul Ra’uf Sheikh, Intiqadi Mabahis, Multan: Beacon Books, n.d., p. 127.
8. Syed Abid Ali ‘Abid’, Nafais-e-Iqbal, Lahore: Iqbal Academy, 1990, p. 26.
9. Jabir Ali Syed, Iqbal ka Fanni Irtiqa, Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1978, p. 8.
10. Jabir Ali Syed, Iqbal ka Fanni Irtiqa, p. 7.
11. Jabir Ali Syed, Iqbal ka Fanni Irtiqa, p. 12.

12. Syed Abid Ali ‘Abid’, She‘r-e-Iqbal, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2003, p. 184.
13. Dr. Abdul Ra’uf Sheikh, Abid Ali ‘Abid: Fan aur Shakhsiyat, Lahore: Bazm-e-Iqbal, July 1993, p. 314.
14. Jabir Ali Syed, Iqbal ka Fanni Irtiqa, p. 4.